© rasailojaraid.com

ادارہ علوم القرآن کے ایک رُکن اساسی

مولانا عبدالمجید ندوی کی رحلت

مولانا عبدالمجید صاحب ندوی اب ہم میں موجود نہیں۔ ان کو اس عالم آب وگل کے علائق و آلام سے چھٹکارا پائے اور رب غفور کی رحمت و مغفرت سے ہمکنار ہوئے اب کئی ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔ لیکن دل اب بھی نا آشنائے شکیب ہے۔ اس کی ایک وجہ تو شائد یہ ہے کہ یہ حادثہ غیر معمولی حد تک دردناک تھا۔ اور پھر یہ بھی کہ ۲۳ مئی ۱۹۹۱ء کو جو متاع عزیز ہم سے چھن گئی وہ بڑی گراں مایہ تھی۔ ان دوگونہ اسباب سے احساس محرومی کی شدت دوچند ہو جاتی ہے۔

اس قحط الرجال میں مولانا عبدالمجید صاحب ندوی جیسے قد و قامت کے عالم کا اٹھ جانا ایک ملّی سانحہ ہے۔ ان کی شہادت پر جن تاثرات کا اظہار مختلف حلقوں سے کیا گیا وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ لیکن اراکین ادارہ علوم القرآن کے لیے یہ حادثہ بوجوہ زیادہ صبر آزما اور ہمت شکن ہے۔ مولانا ان چند افراد میں سے ایک تھے جو اس کے ابتدائی تخیل، منصوبہ بندی اور پھر اس کے قیام و تاسیس کے ہر مرحلہ میں شریک و سرگرم رہے اور آخر تک اس ادارہ سے ان کی گہری وابستگی قائم رہی۔ ایک مؤسس رکن ہونے کے علاوہ وہ اس کی جملہ مجالس اور مجلہ کی مجلس مشاورت کے رکن تھے۔ اس ادارہ کے فروغ اور اس کی تعمیر و ترقی سے انھیں بڑی دلچسپی تھی اور وہ اس کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اس کی زندگی کے ابتدائی ایام میں جب حالات ہمت شکن حد تک صبر آزما تھے ان کے مشورے اور راہ نمائی کارکنان ادارہ کے لیے بڑی تقویت کا باعث تھی اور ان کے ناخن تدبیر نے کئی پیچیدہ گتھیوں کو جس سلیقہ سے سلجھایا حق یہ ہے کہ وہ انہیں کا حصہ تھا۔ ابھی جب کہ ادارہ گوناگوں مسائل و مشکلات کے گرداب سے پوری طرح نکل نہیں پایا ہے ایسے مخلص اور فعّال کارکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اٹھ جانا ایک بڑا سانحہ ہے جو اس پورے کنبے کو سوگوار کر گیا ہے۔

مولانا عبدالمجید صاحب ندوی کی اصل تعلیم و تربیت اور ان کی شخصیت کی بنیادی اٹھان مدرسۃ الاصلاح میں ہوئی لیکن تکمیل تعلیم کا مرحلہ انہوں نے ندوۃ العلماء سے طے کیا۔ ندوہ سے فراغت کے بعد وہ لکھنؤ یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے جہاں سے انھوں نے فاضل ادب اور بی۔ اے کی اسناد حاصل کیں۔ بعد میں انہوں نے ایک پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربی زبان و ادب میں ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ شبلی کالج میں بی۔ ایڈ میں بھی داخلہ لیا تھا لیکن تعلیم و تعلم کی دوگونہ ذمہ داریاں نبھانا ممکن نہ ہوا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے زمانہ طالب علمی میں (۱۹۶۲ ــ ۱۹۶۵ء) ان کا قیام مشہور عالم اور فلسفی مولانا عبدالباری ندویؒ کے دولت کدہ "شبستان سعادت" میں تھا۔ انہیں عہد حاضر کے اس عظیم فلسفی عالم سے بڑی ذہنی مناسبت اور وابستگی تھی اور وہ بھی ان سے بہت تعلق خاطر رکھتے تھے۔ ان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں مولانا عبدالباری صاحبؒ کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا بڑی متنوع اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و فہم، حق گوئی و بیباکی، دلیری و جرأت مندی، عزم و حوصلہ اور ایقین کی پختگی نیز کردار کی صلابت جیسی بیش بہا خصوصیات سے نوازا تھا۔ وہ دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے، ساتھ ہی انھیں بہترین انتظامی صلاحیت بھی ودیعت ہوئی تھی، یہ خصوصیات ایک فرد واحد میں مشکل ہی سے جمع ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ متعدد اہم اداروں میں علمی اور انتظامی مناصب پر فائز رہے اور جہاں بھی رہے اپنی منفرد شخصیت کی چھاپ چھوڑ گئے۔ گوناگوں انتظامی مصروفیات کے باوجود بھی ان کے علمی اکتسابات کا سلسلہ کسی نہ کسی سطح پر جاری رہا۔ ان کی صحت مدتوں سے کمزور تھی لیکن ان کی غیر معمولی حد تک مضبوط قوت ارادی نے انہیں اخیر تک کڑی کمان کی طرح سیدھا رکھا۔ وہ ٹوٹ سکتے تھے لیکن جھک نہیں سکتے تھے۔ بزدلی اور دوں ہمتی کے لیے ان کے فلسفہ حیات میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ ان سے اختلاف کیا جا سکتا تھا لیکن ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ جہاں بھی رہے آسمان بن کر رہے گرد راہ بن کر جینا ان کے مزاج کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منافی تھا۔

ہائر سکنڈری اسکول محمد پور، اعظم گڑھ سے جس عملی زندگی کا آغاز ہوا تھا اس میں جو مختلف مرحلے آئے ان میں دار المصنفین جامعۃ الرشاد اور مسلم یونیورسٹی قابلِ ذکر ہیں۔ اپنی مادرِ درس گاہ مدرسۃ الاصلاح سے انہیں بڑا گہرا قلبی اور جذباتی لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس درس گاہ نے جب بھی پکارا انھوں نے بغیر کسی پس و پیش کے اس کی آواز پر لبیک کہا اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس کے لیے وقف کر دیا۔ اس سلسلہ میں کوئی چیز بھی سدِ راہ نہ بن سکی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ اس سے بعض ایسی نزاکتیں پیدا ہو گئیں جو بعض پرانے تعلقات پر اثر انداز ہوئیں، لیکن شاید یہ ان کے اختیار سے باہر تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے ماں کی دکھ بھری پکار پر سعادت مند بیٹا اپنے عزیز ترین مشاغل سے بھی منہ موڑ کر دوڑ پڑے۔ اس سے ان مشاغل کی بے وقعتی اور کم مائگی کا اظہار نہیں ہوتا البتہ ماں کی غیر معمولی وقعت اور اس کے لیے غیر معمولی عقیدت و محبت کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔

مدرسۃ الاصلاح میں انہوں نے کئی برس تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دیں اور دوبار اس کے صدر مدرس رہے۔ آخری بار انہوں نے ایسے نازک حالات میں یہ ذمہ داری قبول کی تھی جب مدرسہ ایک شدید بحرانی دور سے گذر رہا تھا۔ انہوں نے جب محسوس کیا کہ مدرسہ کو ان کی خدمات کی ضرورت ہے تو بلا تامل اس گرانبار ذمہ داری کو قبول کر لیا اور گوناگوں موانع و مشکلات کے باوجود جس ہمت، تندہی اور یکسوئی سے اس کے حقوق کو ادا کیا وہ انھیں کا حصہ تھا۔ اس ادارہ کو اپنا خونِ جگر دے کر انہوں نے اسے ایک نئی زندگی اور توانائی سے ہم کنار کر دیا اور اسی کی خدمت کرتے ہوئے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین اجر دے، پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق دے اور ان کے ادھورے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کے لیے سامان پیدا فرمائے۔ آمین

© rasailojaraid.com